فکر و نظر---- اسلام آباد　　　　جلد:۴۰-۴۱　　　　شمارہ:۴،۱

قرآنی تصورِ مملکت

ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ☆

جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہیں ہو سکا تھا، اور یہ ایک انوکھا اور عجیب و غریب واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد ﷺ کو متحدہ طور سے اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کر لیا۔ جس ملک میں نزاع کا دور دورہ ہو، وہاں دس ہی سال کی کوشش میں ایک مرکزیت اور نظام قائم کر دینا رسول کریم ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ تھا، آنحضرت ﷺ اپنے آپ کو آسمانی وحی کا تابع قرار دیتے تھے، جو وقتاً فوقتاً آتی تھی، اور جس کا مجموعہ اب قرآن کے نام سے دنیا میں موجود و مشہور ہے۔ اگر کوئی شخص سیرۃ نبویہ کا قریب سے مطالعہ کرے تو اسے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اس قول کی صحت کو باور کرنے میں ذرا بھی دشواری نہ ہوگی کہ قرآن رسول کریم ﷺ کی زندگی کا آئینہ ہے۔ (کَانَ خلقه الْقرآن) اسی لئے یہ معلوم کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت میں مملکت کا تصور کیا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ قرآن کو دیکھنے سے ممکن ہے۔

یہ چیز قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں نہ صرف ازمنہ سابقہ کے پیغمبروں کے حالات بیان ہوئے ہیں، بلکہ ان کی سیرتوں کو جو قرآن میں ہیں اب بھی ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ بجز اس کے کہ صراحت سے قرآن اسے یا اس کے کسی جزء کو منسوخ قرار دے، دوسرے الفاظ میں انبیائے سابقہ کی سنت مسلمانوں پر اب بھی واجب التعمیل ہے، بجز اس کے کہ اس کے کسی معین جزء کے فسخ کا کوئی حکم قرآن مجید میں یا رسول اکرم ﷺ کے افعال و اقوال میں صراحت سے ملتا ہو، ایک آیت ملاحظہ ہو:

"اولٰئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ" یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی، اگر کوئی لوگ اس کو نہ مانیں تو ہم یہ امانت ایسے لوگوں کے سپرد کریں گے، جو اس سے انکار نہ کریں، یہی وہ لوگ ہیں[1]۔ جن کی خدا نے ہدایت کی ہے، اس لئے تو ان کی

۱۔　معارف، شمارہ ۶، جلد ۴۸، دارالمصنفین، اعظم گڑھ (انڈیا)

رہنمائی کی پیروی کر۔ (قرآن ۸۹/۶ تا ۹۰ نیز دیکھئے ۱۳/۴۲)

امام بخاری اور ترمذی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ جب کبھی کسی معاملہ میں براہِ راست آسمانی وحی نہیں آتی تو رسول کریم ﷺ بجائے عام عربی رواجات کے اہل کتاب کے طریقوں کی پیروی فرمایا کرتے تھے۔

یہ چیز سیاسی معاملات کی حد تک بھی اسی طرح صادق آ سکتی ہے جس حد تک معاشی و معاشرتی معاملات میں۔

معاشرۂ انسانی کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کا قیام بڑے عرصہ کے بعد ہو سکا، قرآن مجید میں واقعات کی جو ترتیب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، جن کو خدا نے زمین پر نائب یا خلیفہ مقرر کیا، وہ نسلِ انسانی کے باپ تھے اور بزرگ خاندان ہونے میں ان کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا تھا، ان کی وفات کے بعد کئی نسلوں تک ان کی اولاد میں مختلف قسم کے اختلافات اور برائیاں کم یا زیادہ مقدار میں ساری رہیں، اسی لئے قرآن مجید کے مطابق پیغمبر بھیجے گئے جو خدا اور عام انسانوں کے مابین واسطے کا کام دیتے تھے، اور انسانوں کو یہ بتاتے تھے کہ ان کے خالق کی مشیت اور اس کا حکم کیا ہے۔ اور نیکی کی ترغیب دیتے اور برائی سے روکتے تھے، ان پیغمبروں نے خلوص کے ساتھ جو بے غرضانہ نصیحتیں کیں، اور ان کی باتوں کو کچھ لوگوں نے مانا بھی تو اس جماعت کی حیثیت کسی مملکت کی قرار دینی مشکل ہے، بظاہر قدیم ترین زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کی آمد کے باوجود سیاسی نظام اور اقتدار کی ضرورت نہیں پائی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں بھی بارہا ذکر ہے کہ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کو سرفرازی عطا ہوئی، مگر ایک مملکت کو دوسری مملکت کی جگہ قائم کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ان قومی وحدتوں کے غیر سیاسی وجود کے باوجود ان لوگوں کی معاشی اور سماجی سرگرمیوں کو نظرانداز نہیں کیا گیا ہے، لیکن ان چیزوں کا ذکر صرف اس طور سے ہوا ہے، کہ لوگ ان کو خدا کی نعمتیں سمجھ کر یاد رکھیں، اور خدا کی اطاعت کا فریضہ بجا لائیں۔

بادشاہی کے ذکر کا آغاز قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملنے لگتا ہے، جب کہ ایک شخص اپنے ملک کے تمام لوگوں کی جان و مال پر اپنا اقتدار چلاتا ہوا نظر آتا ہے (دیکھئے قرآن مجید ۲۵۸/۲ نمرود کا قصہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے ادارہ مملکت میں زیادہ استحکام و ترقی نظر آتی ہے، چنانچہ ان کے زمانہ کے حالات میں (دیکھئے قرآن مجید ۳۰/۱۲) بادشاہوں اور وزیروں

اور سرکاری قیدخانوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ (سورہ یوسف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو حالات قرآن مجید میں ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان مقدس رہنما کی تمنا اور کوشش یہ تھی کہ ارضِ موعود میں ایک مملکت قائم کریں، مگر قوم نے نااہلی کے مظاہرے (عدمِ اطاعت احکام الٰہی) سے مایوسی کا سامان کر دیا، آخر ان کی قوم کو چالیس سال تک انتظار کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ ایک بالکل نئی نسل پیدا ہو، جس کی بچپن ہی سے ان کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہو، اور پھر اس نئی نسل کی مدد سے وہ ارض موعود کو فتح کریں۔ گو اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات پائی اور ان کی چہل سالہ تربیتی اسکیم ان کے بعض فیض یافتوں نے مکمل کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو فرعونِ مصر تھا، وہ قرآنی تذکرے کے مطابق ایک خاصا باقاعدہ حکمران تھا، جس کا ایک وزیر تھا اور جس کے مشورے کے لئے معمرین اور اہل الرائے لوگوں کی ایک مجلس بھی پائی جاتی تھی۔ اس مجلس کے اجلاسوں کی جو روئیداد قرآن مجید میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے اور عاجلانہ فیصلے نہیں کیا کرتی تھی، بلکہ اس کے مشورے مناسب اور قابل عمل ہی ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے ان کی جدت طرازیوں کے باعث کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ جب فرعون نے یہ سوال پیش کیا، تو مجلس شوریٰ نے نرمی اور اعتدال کا مشورہ دیا تھا۔ اس زمانہ میں عوام الناس تک ایک حد تک سیاسی شعور رکھتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ (قرآن مجید ۱۹/۲۸) جب ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی سخت گیری کے باعث ملامت کرنی چاہی تو اس نے یہ الفاظ کہے تھے کہ:

"اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّاراً فِي الْاَرْضِ"

تو تو زمین میں ایک جبار بن جانا چاہتا ہے اور صلاح و فلاح کا کام کرنے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مجلس دوگانہ یا مرکب بادشاہت کا بھی پتہ چلتا ہے[۲]۔

طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کا قصہ قرآن مجید میں ایک خصوصی دلچسپی کا حامل ہے۔ بنی اسرائیل کو ان کے دشمن نے شکست دے کر ان کے گھروں سے جلاوطن کر دیا تھا۔ انتقام کی خواہش نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنے پیغمبر سے یہ خواہش کریں کہ ان پر ایک بادشاہ نامزد کیا جائے جو ان کو ساتھ لے کر دشمنوں سے لڑ سکے۔

"اِذْقَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ". یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی

اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا کہ ہم پر یک بادشاہ کو مامور کر تا کہ ہم اللہ کی راہ میں ے لڑسکیں۔ اس (نبی) نے کہا اگر تم لڑنا فرض ہونے کے بعد لڑنے سے انکار کرو تو؟ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جب کہ ہمیں ہمارے گھروں اور ہمارے بچوں سے نکال باہر کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود جب لڑنا ان پر فرض کیا گیا تو انہوں نے روگردانی کی، بجز چند لوگوں کے، اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ان کے پیغمبر نے ان سے کہا: دیکھو اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا بادشاہ بنے؟ ہم اس سے زیادہ بادشاہت کے مستحق ہیں کیونکہ وہ مالدار نہیں ہے، اس (نبی) نے کہا اللہ نے اسی کو تم پر فوقیت دی ہے اور علم اور جسم میں اس کو وافر حصہ دیا ہے۔ اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے''۔ (قرآن مجید ۲/۲۴۶ تا ۲۴۷)

علاوہ اور اہمیتوں کے اس اقتباس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مال و دولت یا حسب و نسب نہیں بلکہ علم و جسم یعنی سیاست دانی[۳] اور بہادری بادشاہت کی اولین ضرورتیں ہیں۔ اس اقتباس سے یہ اہم چیز بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں یہودیوں نے مذہب اور سیاست کو الگ چیزیں ہونا تسلیم کر لیا تھا اور نبی کے علاوہ بادشاہ کی ضرورت سمجھی گئی تھی۔ بادشاہ فرائض نبوت بجا نہیں لا سکتا تھا اور نہ نبی فرائض بادشاہت۔ البتہ یہ چیز قابل ذکر ہے کہ طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کے فوری جانشین حضرت داؤدؑ اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ دونوں بادشاہت اور نبوت ہر دو حیثیتوں کے حامل بنے ان کا کچھ تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

حضرت داؤدؑ کا قرآنی تذکرہ بے حد اہم ہے کیونکہ اس میں فرائض بادشاہت کا (جن میں عدل گستری سب سے اہم ہے) ذکر کیا گیا ہے:

(الف) وَقَتَلَ دَاودُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ. اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، پھر خدا نے اس کو بادشاہت اور حکمت عطا کی۔ (قرآن مجید ۲/۲۵۱)

(ب) وشَدَدْنَا مُلْكَه' وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ. ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط بنا دیا اور اس کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی زبان عطا کی۔ (ایضاً ۳۸/۲۰)

(ج) يٰدٰودُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ. اے داؤد، بے شک ہم نے تجھ کو زمین پر ایک نائب مقرر کیا ہے، اس لئے لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کیا کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر ورنہ وہ تجھے خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گی۔ اور جو کوئی خدا کی راہ سے بھٹکے تو اس کا انجام برا ہوتا ہے، کیونکہ وہ قیامت کے حساب و کتاب کو بھول جاتا

ہے۔ (قرآن مجید ۲۶/۳۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''اور سلیمان کو داؤدؑ کا وارث بنایا''[۴] اگرچہ بیٹا اپنے باپ کا جانشین ہوا تھا لیکن اس قرآنی تذکرے کا منشا یہ بالکل نہیں ہے کہ بیٹا بطور حق کے بادشاہ بنا ہو بلکہ یہ محض خدا کی عنایت تھی کہ باپ کی جگہ بیٹے کو بھی حکومت ملی اور اقتدار کا اصلی سرچشمہ خدا ہی کی مشیت ہے۔

حکمرانی کے کل پرزوں کی حرکت کا سب سے دلچسپ منظر قرآن مجید میں ملکہ سبا کے تذکرہ میں ملتا ہے، چنانچہ:

''قَالَتْ يَاۤ أَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیۤ اَمْرِیْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْراً حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ--الخ''.

اس (ملکہ) نے کہا اے سردارو مجھے میرے اس معاملہ میں مشورہ دو میں تمہاری موجودگی کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی، انہوں نے کہا ہم بڑے طاقتور اور بہادر لوگ ہیں، حکم دینا تیرا کام ہے، اس لئے تو سوچ کر فیصلہ کر، اس (ملکہ) نے کہا جب کبھی بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے معززین کو ذلیل بنا دیتے ہیں اور وہ ایسا ہی کریں گے۔ البتہ میں ان (حضرت سلیمان کے ملک والوں) کو ایک تحفہ بھیجوں گی اور دیکھوں گی کہ سفیر کیا واپس لاتے ہیں، چنانچہ جب سفیر سلیمانؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا کیا تم مجھے مال کے ذریعہ سے کچھ مدد دینی چاہتے ہو جب کہ وہ چیز جو خدا نے مجھے دے رکھی ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تمہیں دی ہے؟ تمہیں تو اپنے تحفے ہی پر ناز ہے، ان کے پاس واپس جاؤ، ہم بے شک ان کے پاس ایسی فوجیں لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے، اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ پست ہو جائیں گے''۔

(قرآن مجید ۲۷/۳۲ تا ۳۷)

ہر زمانہ میں اس امر کی ضرورت تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ ملت کی رہنمائی کے لئے ایک قوانین کا مجموعہ بھی موجود ہو، قرآن مجید میں اکثر اس کا ذکر آیا ہے کہ پیغمبروں کو کتابیں یا صحیفے دیئے گئے۔ کتاب کے لفظی معنی حکم دینے کے بھی آتے ہیں اور صحیفہ سے مراد دستورالعمل ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں خاص طور سے اس کا ذکر ہوا ہے کہ جونہی وہ فرعون کی سرزمین سے نکل کر باہر آگئے تو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام لکھی ہوئی تختیاں (الواح) عطا کیں، جن کی تعمیل

بنی اسرائیل پر فرض قرار دی گئی۔

ظالم بادشاہوں کے ظالمانہ اور نامناسب افعال کی قرآن مجید میں بارہا برائی کی گئی ہے۔ (دیکھئے قرآن مجید ۱۸/۸۰، ۲۸/۴ وغیرہ) ایک چیز جو قرآنی تذکروں میں خاص طور سے قابل ذکر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ مملکت سے زیادہ حکمرانِ مملکت کو نمایاں کیا گیا ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مملکت کا ذکر محض ضمناً آیا ہے، اور سیاسی وحدت میں بادشاہ کا ذکر ہی سب سے نمایاں ہے، کیونکہ قدیم زمانوں میں یہی صورت حال تھی۔

اسلامی مملکت

اب تک ہم نے اپنی تحقیقات کو زمانہ قدیم کی مملکت تک محدود رکھا تھا، اس کے معنی یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو اسلامی مملکت قائم کی تھی، اس کے لئے کوئی خصوصی احکام قرآن مجید میں نہیں دیئے گئے۔ ہمارے تذکرہ کا منشا یہ تھا کہ چونکہ انبیاء سلف کی سنت بھی مسلمانوں کے لئے واجب التعمیل قرار دی گئی ہے، اس لئے ان کے زمانہ کے احکام کا تذکرہ نہ صرف اسلامی مملکتی تصور کے لئے ایک پس منظر کا کام دیتا ہے بلکہ واقعتہً وہ اسلامی قانون سیاسی و انتظامی کا جزء بن جاتے ہیں، وہ احکام جو قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو خاص طور پر دیئے گئے ہیں، ان کا موضوع و تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کے ربانی ماخذ کو کہیں بھی نظرانداز نہیں کیا گیا ہے اور قیامت کے حساب و کتاب پر بار بار زور دیا گیا ہے تاکہ بادشاہ میں کسی دنیاوی ذمہ داری کے نہ ہونے کے باعث استبداد نہ پیدا ہو جائے، اگرچہ قرآن مجید میں علاقے یا زمین کا ذکر بعض وقت حکمرانی کے ساتھ آیا ہے لیکن وہ بڑی حد تک ضمنی ہے، بنیادی نہیں، مثلاً:

(الف) "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ-- الخ".
کہہ اے خدا ملک کے مالک! تو ہی جس کو چاہتا ہے، ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک واپس لے لیتا ہے جس کو چاہتا ہے تو عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تو اسے ذلیل کرتا ہے، بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (قرآن مجید ۳/۲۶)

(ب) "هُوَالَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ". وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب مقرر کیا، اور تم میں سے چند کو دوسروں پر رتبے میں فوقیت دی تاکہ

تمہیں اس چیز کے ذریعہ سے آزمائے جو اس نے تمہیں دی ہے۔ (ایضاً ۶/۱۶۶)

(ج) "وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ"۔ ہم نے تم کو زمین میں اقتدار عطا کیا اور تمہارے لئے وہاں روزی مہیا کی۔ (ایضاً ۷/۱۰)

جامعہ روما کے پروفیسر نالینو کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں معلوم ہوتی کہ اسلامی حکمران کی تخت نشینی کے وقت جو بیعت لی جاتی ہے، وہ ایک طرح سے معاہدہ معاشری کہلا سکتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

"کسی شخص کو خلافت کا رتبہ عطا کرنا فقہاء کے نزدیک ایک معاہدہ ہوتا ہے، جس کا ایک فریق وہ شخص ہوتا ہے جو اس عہدے کو قبول کرے اور دوسرا فریق جماعت اسلامی ہوتی ہے یہ معاہدہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ بیعت یعنی اظہار وفاداری امت کے اصحاب حل و عقد کی طرف سے نہ عمل میں آ جائے"(۵)

لفظ بیعت کے معنی خود ایک معاہدہ کے ہوتے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وفاداری اور اطاعت کی ایک طرف سے پیشکش کی جائے اور دوسرے فریق کی طرف سے اسے قبول کیا جائے۔ (دیکھئے قرآن مجید ۴۸/۱۰) دوسرے الفاظ میں حکمران کا اقتدار چاہے مشیتِ عامہ سے پیدا نہ ہوتا ہو لیکن اسی پر مبنی ہوتا اور اسی کا محتاج ضرور رہتا ہے۔

اگرچہ رسول کریم ﷺ کے متعلق مسلمانوں میں یہ چیز جزء عقیدہ ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں، اور اگرچہ خلفاء پیغمبروں کے سیاسی جانشین سمجھے گئے، لیکن معصومیت کا یہ اعزاز ان کے لئے کبھی تسلیم نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر قوموں میں "بادشاہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا" کا جو سیاسی نظریہ یا کلیہ پایا جاتا ہے، وہ مسلمانوں میں کبھی جگہ نہ پا سکا، اس کے برخلاف مسلمانوں کو اسی پر ناز ہے، کہ نہ صرف عام حکمران بلکہ خود پیغمبر ﷺ بھی حقوق العباد کے معاملے میں انہی عام قوانین کے پابند ہیں جن کے عام مسلمان، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے اور منصفانہ فیصلہ کیا(۶)۔ پیغمبروں کی معصومیت کا منشاء اسلامی علم کلام میں صرف یہ لیا جاتا ہے کہ وحی کی تبلیغ اور خدا کے احکام پہنچانے میں ان سے کوئی غلطی یا سہو سرزد نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ دیگر معاملات میں پیغمبر کی حیثیت بھی ایک انسان ہی کی ہوتی ہے اور احادیث میں متعدد مرتبہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "دنیاوی معاملات میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، سیاسی حیثیت سے رسول کریم ﷺ جماعت اسلامی کے ایک فرد تھے اور ان قوانین کے جن کو آپ

نافذ کرتے تھے خود بھی پوری طرح پابند تھے۔

غرض جملہ مخلوقات کی طرح کرہ ارض اور انسانی بستی کا بھی اصل مالک اور بادشاہ خدا ہی کی ذات ہے اور وہی صلاحیتوں کو دیکھ کر کسی انسان کو اپنی نیابت سے سرفراز کرتا ہے، اور پھر دیکھتا ہے کہ وہ عمل کیسا کرتا ہے۔ ''اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ، اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً، لِیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ، اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ''. خدا کا خلیفہ برحق تو نبی ہوتا ہے جس کا براہ راست وحی سے تقرر ہوتا ہے، اور وحی ہی سے اس کی رہنمائی ہوتی ہے، اس کے باوجود بھی سرورکائنات ﷺ اپنی اطاعت اور پیروی کی بیعت لیتے رہے، نبی علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے پر احکامِ شریعت سے ناواقفوں کو واقف کرانے کی حد تک حدیث شریف میں ہے کہ ''العُلَماء ورثة الانبیاء'' لیکن سلطنت رانی اور سیاست مدن کے لئے ماوردی، ابن خلدون وغیرہ کے الفاظ میں ''اصحاب حل و عقد'' کسی کا انتخاب کرتے ہیں، اور یہ انتخاب بمصداق حدیث شریف ''یَدُاللّٰه عَلی الجَماعَة. منشاء ربانی کا اظہار اور باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے، اور یہی اصحاب حل و عقد، انتخاب اور بیعت کے بعد بھی حکمران کی حکمرانی میں مرجع کا کام دیتے ہیں، اور ضرورت ہو تو اسے معزول بھی کر سکتے ہیں(۷)۔ حکمران کے حقِ اجتہاد کے حدود، مصالح ملکی اور نظم و نسق میں شوریٰ کا موقف، اصحابِ حل و عقد کی دستوری حیثیت، وغیرہ پر تفصیل سے بحث یہاں ممکن نہ ہوگی، البتہ اس سوال کا جواب شاید ضروری ہے کہ اصل دنیاوی اقتدار کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہوتا ہے، اس کا جواب حضرت امام اعظمؒ کے الفاظ ہیں:-

> انّ نواحی دارالاسلام تحت ید إمامِ المسلمین و یده یَد جماعة المسلمین.
>
> اسلامی سرزمین کے جملہ حصے اسلامی بادشاہ کے اقتدار میں ہوتے ہیں، اور اس کا اقتدار مسلمانوں کی جماعت ہی کا اقتدار ہوتا ہے۔ (مبسوط سرخسی، ج۱۰، ص ۹۳)

امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی نے مزید وضاحت سے کہا ہے کہ کسی ملک کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ وہاں غلبہ اور محافظ قوت کس قوم کو حاصل ہے، تعداد سے بحث نہیں۔ ''لهما الدار انّما تُنسب إلیٰ اهْلها لثبوتِ یَد هِم القاهرة علیها و قیام ولایتهم الحافظة فیها (محیط رضی الدین سرخسی مخطوط استانبول، ورق نمبر ۶۰۵ ب) اور حنفی علماء متفق ہیں کہ اسلامی مملکت کا انتظام امام پوری امت مسلمہ کے نائب کے طور پر کرتا ہے، چنانچہ شارح شیبانیؒ کے الفاظ میں ''الامام بمنزلة جماعة من المُسْلِمِیْنَ فی استیفاء هذا الحق'' (مبسوط سرخسی ج۹ ص ۲۰۴) یعنی اس حق کے نفاذ میں امام کی حیثیت امت مسلمہ کے قائمقام کی ہوتی ہے۔

بہرحال یہ اسلامی تصور اقتدار اعلیٰ ہے کہ مقتدر اعلیٰ خداوند خلاق کی ذاتِ کبریائی ہے اور حکمرانی شریعت کو حاصل ہوتی ہے، اور "خلیفة الله فی الارض" یا شریعت کے نفاذ کے افسر کا انتخاب بھی خدا ہی کرتا ہے، اور اس بارے میں خدا کی مشیت کا اظہار "یَدُالله علی الجماعة" اور "لایجتمع اُمّتی علی الضلالة" وغیرہ احادیثِ شریفہ کے بمصداق اور عہدِ خلافتِ راشدہ کے نظائر کے مطابق اصحابِ حل و عقد کی بیعت کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

دین و دنیا کا ملاپ

قدیم زمانوں میں جب انسانی تمدن نے زیادہ ترقی نہ کی تھی اور تقسیم کار کی اتنی زیادہ ضرورت پیش نہ آئی تھی کسی ملک میں مرکزی حکومت کے اختیارات یا تو عدل گستری کے متعلق ہوتے تھے، (جس میں دشمن سے جنگ بھی شامل ہے، اور فقہ کی کتابوں میں باب الجہاد کا ذکر "حدود" یعنی سزاؤں کے سلسلہ ہی میں ملتا ہے)، یا قومی معبود کی پرستش و عبادت کے متعلق دیگر سلطنتی نظم ونسق کے مسائل اٹھتے ہی نہ تھے، بلکہ وہ عوام کے انفرادی معاملات سمجھے جاتے تھے، اور عبادت ہی نہیں عدل گستری اور جنگ بھی مذہبی مراسم کی تابع تھی، تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ کشوری اور مذہبی فرائض میں دوری پیدا ہوتی جاتی تھی، چنانچہ رومیوں نے لیس یا دنیاوی قانون) کو ہمہ گیر فاس (Fass یا مذہبی قانون) سے ایک الگ چیز کے طور پر ایجاد کیا، یہودیوں نے "قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" (قرآن ۲/۲۴۶) اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر جس کے ساتھ ہم خدا کی راہ میں جنگ کرسکیں۔

اور نبوت و بادشاہت یا مذہب و سیاست کو جدا کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی یہ قول --- میں منسوب ملتا ہے کہ قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو، اور کلیسا کی کلیسا کو۔ بدھ متیوں اور ہندوؤں کے ہاں بھی ترک دنیا ہی انسانیت کا کمال قرار پایا۔

غرض قدیم اہل مذہب نے دنیائے ناپائیدار کو دل لگانے کے قابل چیز نہ سمجھا، لیکن اس میں دو بنیادی مسائل نظرانداز ہو کر خامی پیدا ہوگئی، ایک تو گنتی کے چند فرشتہ صفت انسانوں کے سوا باقی جو لاکھوں کروڑوں عامة الناس تھے، ان کے معاملات مادیت پسندانہ ہوگئے اور دوسرے سیاست کی اخلاقی بنیاد نہ رہی اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ سابقہ تمام مذاہب اکائیوں یا دہائیوں میں ختم ہو جانے والے فرشتہ صفت انسانوں کے لئے ہوتے تھے، اور اسلام ناز کر سکتا ہے کہ وہ امیوں اور اوسط درجہ کے انسانوں

کے لئے ایک قابل عمل دستور لایا، یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں ایسوں ہی کی بہت بڑی اکثریت ہوتی ہے، انسان نما فرشتے اور انسان نما شیطان دونوں کی تعداد ہمیشہ بہت محدود ہی ہوتی ہے۔

مذہب اور سیاست دو بالکل الگ چیزیں ہیں، مذہب خدا اور بندے کے تعلقات کا نام ہے اور سیاست بندے اور بندے کے معاملات کا، ان دونوں کو ایک کہنے والا گویا ہاتھ اور پاؤں کو ایک کہتا ہے، لیکن جس طرح ایک زندہ اور تندرست انسان میں ہاتھ اور پاؤں دونوں ہی ایک مشترکہ اور مرکزی قوت مثلاً عقل یا ارادے کے تابع ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح دین اسلام نے مذہب اور سیاست کو ایک مشترکہ دستورالعمل کے تابع کر دیا جو قرآن یا ربانی کلام تھا، اور دونوں ہی کی رہنمائی کے لئے احکام کا ماخذ ایک ہی قرار دے کر سیاست میں اخلاقی اساس اور اخلاق میں حقیقت پسندی باقی رکھی۔ کوئی شخص ہاتھوں کے بل تھوڑی دور ضرور چل سکتا ہے، اور پاؤں سے برا بھلا کچھ لکھ بھی ضرور سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت کو سیاست اور سیاست کو عبادت بنا کر انسان چند روز گزار ضرور سکتا ہے لیکن یہ غیر فطری عمل نہ تو سہولت بخش ہوگا اور نہ مفید۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ایک بزرگ سیرت نگار نبوت کے الفاظ میں محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں لے کر آئے۔ آپ نے صرف آسمانی بادشاہت کی خوشخبری نہیں سنائی بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دنیا میں خدا کی بندگی بے خوف و خطر کی جا سکے اور خدا کی بادشاہی دنیا میں قائم ہو۔

"وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ"

خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا (جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا، جو ان سے پہلے تھے) اور ان کے لئے ان کے اس دین کو جو اس نے ان کے واسطے پسند کیا ہے، جما دے گا۔ (قرآن ۲۴/۵۵)

قرآن نے مطمح اور سب سے اچھی دعا انسانوں کے لئے یہ بتائی ہے:

"رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے، اور آخرت میں بھلائی دے، اور ہم کو آگ کے عذاب سے (دوزخ) سے بچا۔ (قرآن ۲/۲۰۱)

اور ایک جگہ فرمایا:

"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُالْمُتَّقِيْنَ"

اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے، اور پرہیزگاروں کا گھر کیسا اچھا ہے۔ (قرآن ۱۶/۳۰)

جن لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کی بازی لگائی ان کو بشارت ہے:

"فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔ (قرآن ۳/۱۴۰)

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، ناموری و عزت، مال و دولت، اور حکومت و سلطنت ہے۔ جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی، ان کو دونوں جہاں کی نعمتیں بخشیں۔

"وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا---الخ"

اور جنہوں نے (ہمارے لئے) ستائے جانے کے بعد گھر چھوڑا، ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور بے شک آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے۔ (قرآن ۱۶/۴۱)

اور اولیاء و اتقیاء یعنی فرشتہ صفت مسلمانوں کو ترکِ دنیا کی ہدایت نہ کی، بلکہ دنیا داری اور دین داری دونوں کے ملاپ کا حکم دیا:

"اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ"

وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں جما دیں تو وہ نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کو کہیں اور برے کاموں سے روکیں، اور ہر کام کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (قرآن ۲۲/۴۱)

ان آیتوں سے یہ اشارہ بھی نکلا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں خدا کے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہئے، اور یہ اشارہ بھی کہ دین و دنیا کا امتزاج یا ملاپ ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور ''احسن تقویم'' کا مظاہرہ ہو سکتا ہے ورنہ وہ یا تو فرشتہ ہو جائے گا، یا شیطان اور ان دونوں اصناف سے جدا ایک خاص مخلوق یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

ایسی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے اپنی ہر مخلوق انسان کی خدمت یا استفادے کے لئے پیدا کی ہے اور انسان اپنے خالق کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے مگر اس کی تفصیل یہاں طول بحث سمجھی جائے گی۔

بیعت

حکمران کی اطاعت کو جیسی کچھ اہمیت حاصل ہے، ظاہر ہے قرآن مجید میں بھی اس پر کچھ کم زور نہیں دیا گیا ہے، مثلاً:

(الف) "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے افسران حکومت ہوں، اگر تم میں کسی معاملہ میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول سے رجوع کرو، اگر تمہیں خدا اور یوم آخرت پر سچا ایمان ہو، یہی بہتر اور مال کار اچھا طریقہ ہے۔ (قرآن مجید ۵۹/۴)

(ب) "اِذَا جَآءَ ھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِہٖ"۔ اگر امن یا خوف کی ان کو کوئی خبر ملتی ہے، تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، بہتر ہوتا کہ وہ اس کی اطلاع رسول کو اور اپنے افسروں کو دیتے تو سمجھدار لوگ اس کو سمجھ جاتے۔ (قرآن مجید ۸۳/۴)

یہ تو افسروں کی اطاعت کا ذکر تھا، جناب رسالت مآب ﷺ کی شخصی اطاعت پر تو اس سے بھی زیادہ مواقع پر زور دیا گیا ہے، کہیں صرف حکم ہے تو کہیں اس کے فوائد بتا کر ترغیب دی گئی ہے۔ رسول کی اطاعت اور پیروی کے ان احکام کا یہ ناگزیر نتیجہ تھا کہ بعد کے زمانہ میں آپ کے ہر قول اور فعل کا تذکرہ محفوظ کرنے کی اتنی عظیم الشان کوششیں اہلِ علم کی جانب سے عمل میں لائی گئیں۔ ایسی بعض آیات حسب ذیل ہیں:

(الف) مَآاٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا--- جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو، اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔ (قرآن مجید ۵۵/۷)

(ب) لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ. بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لئے ایک اسوہ حسنہ پایا جاتا ہے۔ (ایضاً ۳۳/۲۱)

(ج) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوااللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ. اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور جب وہ کچھ کہے تو سن کر روگردانی نہ کرو--- اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں، تاکہ تم کمزور نہ پڑ جاؤ، اور تمہاری ہوا نہ اکھڑ جائے(۸)، اس کے برخلاف صبر سے کام لو، اللہ صبر سے کام لینے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (قرآن مجید ۸،۲۰)

(د) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. وہ (یعنی رسول خدا) اپنی خواہش سے کچھ نہیں

کہتا، بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے۔ (قرآن مجید ۵۳/۳)

آرنلڈ نے اپنی کتاب خلافت میں بالکل ٹھیک رائے ظاہر کی ہے، کہ اس طرح رعیت کے فریضہ اطاعت پر زور دیا گیا، مگر اس کے ساتھ ہی حکمران کے لازمی فرائض کا اتنا ذکر نہیں ہوا، اس سے اسلامی حکمران جابر اور استبداد پسند نہیں بن گیا، کیونکہ حشر و نشر اور حساب و کتاب کا عقیدہ نیز حکمران کا بھی قانون اسلامی کے ماتحت ہونا اس پر گرفت رکھنے کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حکمران کے فرائض پر قرآن مجید نے زور نہ دیا ہو:

(الف) فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ وَلَاتَتَّبِعْ اَھْوَائَھُمْ. (اس کے لئے) بلا اور (اے محمد) استقامت سے رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر، بلکہ کہہ: میں ایمان لاتا ہوں ہر اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔ اللہ ہمارا اور تمہارا آقا ہے ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام۔ ہم میں اور تم میں کوئی حجت نہیں اللہ ہمیں یکجا کرے گا اور ہمیں اسی کی طرف جانا ہے۔ (قرآن مجید ۴۲/۱۵)

(ب) فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ. تب ہم یقیناً ان لوگوں سے دریافت کریں گے جن کے پاس ہمارا پیغمبر بھیجا گیا تھا۔ ہم پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے۔

(قرآن مجید ۷/۶)

متعدد آیتوں میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ اجتماعی اور حکومتی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دی جائے، مثلاً قرآن مجید (۸/۲۰)

(الف) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ---الخ. اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ جان بوجھ کر اپنی باہمی امانتوں میں خیانت کرو۔

(ب) وَاعْلَمُوْا اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ---الخ. اور یہ جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہے اور خدا ہی کے پاس اجر عظیم پایا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ذاتی مفاد کے لئے یا بیوی بچوں کی خاطر بھی ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو نامناسب ہو اور عالمِ آخرت کے حساب و کتاب کے لئے ہمیں اپنے ہر فعل میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

ضمناً اس چیز کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ ''حبِّ ملّی'' اسلام میں ایک نیم مذہبی، نیم

سیاسی وحدت کے تصور پر مبنی ہے، جغرافیائی یا لسانی یا نسلی وحدت سے اسے کوئی سروکار نہیں، چنانچہ:-

(الف) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا---الخ۔ اے انسانو ہم نے تم کو مرد اور عورتیں بنایا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ تم پہچانے جا سکو، لیکن اصل میں تم میں سے سب سے زیادہ بزرگ خدا کے پاس وہی ہوتا ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، علم اور خبر خدا ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ (قرآن مجید ۴۹/۱۳)

(ب) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (ایضاً ۴۹/۱۰)

(ج) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ نہ کرو، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے اور (ایمان لانے کے باعث) اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور اس کی عنایت سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اور اسی نے تم کو بچایا۔ اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم کو بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاسکو، اور تم میں سے ایک ایسی قوم پیدا ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے روکے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ (ایضاً ۳/۱۰۲)

یہ بیان کرنے کی شاید ہی کچھ ضرورت ہو کہ ایمان اور عملِ صالح کی فوقیت کے سوا اسلام حسب و نسب کی کسی برتری کو قطعاً تسلیم نہیں کرتا، انبیاء کی اولاد تک ''عمل غیر صالح''[(۹)] کے باعث عذاب میں گرفتار ہوئی۔

عدل گستری

یہ حکمران کا اوّلین فریضہ ہے کہ اسے نہ طرفدار ہونا چاہئے اور انصاف کے ساتھ حسب موقع و ضرورت رحم بھی کرنا چاہئے۔ (دیکھئے قرآن مجید ۱۶/۹۰، ۴/۵۸، ۱۳۵، ۵/۸، ۴۰/۱۸)۔

غیر مسلم ذمی رعایا کو عدالتی خود مختاری دینے کا قرآن مجید میں حکم ہے، جہاں ان کے ساتھ ان کے شخصی قوانین کے مطابق فیصلے انجام پائیں گے، اگر غیر مسلم رعایا اسلامی عدالت میں اپنی مرضی سے مقدمہ یا مرافعہ پیش کرے تو اس کے ساتھ بھی انصاف کیا جانا چاہئے۔ (دیکھئے قرآن مجید ۴۲ تا ۵/۵۰) اس بارے میں مزید تفصیل ایک علیحدہ مضمون کی متقاضی ہے[(۱۰)]، البتہ اتنا اور اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ قیامت کی جزائے اعمال، حساب و کتاب، چشم دید گواہ، تحریری شہادت، کراماً کاتبین کی

ڈائری وغیرہ کی جو تفصیل قرآن میں آئی ہے، وہ عہدِ نبوی کے مروّجہ امور ہوں گے جن کے ذریعہ سے عالم آخرت کا خاکہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شورائیت

قرآن مجید میں حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشورہ لے کر کیا کرے، چنانچہ:-

(الف) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَاعَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. اور ان سے معاملات میں مشورہ کر پھر جب تو عزم کرے تو خدا پر توکل کر، بے شک خدا توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (قرآن مجید ۱۵۹/۳)

(ب) فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى---الخ. جو کچھ تمہیں دیا گیا وہ دنیاوی زندگی کا ایک حق تمتع ہے، اور بس۔ ورنہ خدا کے پاس جو چیز ہے وہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔ یہ ان لوگوں کو ملے گی جو اپنے رب پر ایمان لاتے، اور اس پر توکل کرتے ہیں اور جن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں، اور جو اس چیز کو خرچ (خیرات) کرتے ہیں، جو ہم نے ان کو عطا کی۔ (ایضاً ۳۶/۴۲-۳۸)

(ج) طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ. (مشیروں وغیرہ کے لئے فیصلے کے بعد) اطاعت اور (فیصلے کے وقت) قول معروف ہونا چاہئے اور پھر جب کسی کام کا عزم کر لیا جائے، تو اگر وہ لوگ خدا سے اپنے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں تو انہی کے لئے اچھا ہے۔ (ایضاً ۲۱/۴۷)

غرض اگر مشورہ لینے کی ایک طرف پابندی عائد کی گئی ہے، تو دوسری طرف مشورہ کے بعد جو بھی چیز قرار پا جائے اس کی تعمیل کرنا بلالحاظ اس کے کہ وہ اپنی رائے اور مشورے کے مطابق تھی۔ یا مخالف ضروری قرار دیا گیا ہے، ساتھ ہی اس کا بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخری ذمہ داری چونکہ حکمران پر ہوتی ہے اس لئے اس کو مشورے کے متعلق حق تنسیخ دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید ۶/۱۱۷ میں بیان کیا گیا ہے۔

قانون سازی

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کو ہر قول وفعل کو اسوہ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے (دیکھئے قرآن مجید ۳ تا ۵۳/۴ و ۵۹ وغیرہ) اس حکم کے باعث اسلامی فقہاء یا قانون سازوں کا کام آسان

تر ہوگیا۔ کیونکہ ایک طرف تو جن چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں نہ تھا۔ ان کے لئے حدیث نبوی میں کافی مواد مل گیا، اور دوسری طرف یہ بھی دیکھا گیا، کہ خود رسول کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ قیاس اور استنباط سے کام لیا، بلکہ اس کی صراحت کے ساتھ اجازت بھی دی تھی، جیسا کہ معاذ بن جبلؓ گورنر یمن کے تقررنامے وغیرہ میں مذکور ہے، اگرچہ قرآن اور حدیث کی قیاس کے ذریعہ سے تنسیخ نہیں ہوسکتی۔ لیکن قیاس اور تعبیر کی اجازت سے علماء و فقہاء کو انفرادی رائے سے کام لینے کی خاصی گنجائش مل گئی۔ حتیٰ کہ یہاں تک تسلیم کیا گیا کہ مجتہد سے غلطی ہونے کے امکان کے باوجود اس کو اس کام سے نہیں روکا جا سکتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ''اجتہاد کرنے والا خطا بھی کر سکتا ہے، صواب کو بھی پہنچ سکتا ہے، اور صحیح فیصلہ کی صورت میں اسے دو ثواب ملیں گے اور خطا کی صورت میں ایک ثواب''۔ اس طرح اس کا بھی موقع نکل آیا کہ ایک مجتہد کے بعد دوسرا مجتہد بھی اجتہاد کرے، اور کسی بہتر نتیجہ پر پہنچنے کے باعث سابقہ مجتہد کا فیصلہ منسوخ قرار پائے اور خود اجماع کے متعلق بھی فقہاء نے ایسی ہی سہولت تسلیم کی ہے، جب تک ان اجازتوں سے فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اسلامی قانون میں زمانہ کا ساتھ دینے کی گنجائش رہی اور وہ ترقی کرتا رہا اور جب سے قدیم فقہاء کے فیصلوں کے خلاف اجتہاد کا دروازہ چند لوگوں نے بند کر دیا تو اس سے قانون اسلامی کو بے حد نقصان پہنچا، لیکن یہ مسئلہ یہاں دائرہ بحث سے خارج ہے۔

جہان بانی کے قواعد

قرآن مجید میں اندرونی اور بیرونی سیاست کے قواعد خاصی تفصیل سے ملتے ہیں، جن سے حالتِ امن و صلح و غیر جانبداری میں حکمران کی رہنمائی مقصود تھی۔ رسول کریم ﷺ نے خود ایک مملکت قائم کی اور اس ملک میں جہاں ہمیشہ سے نراج سا چلا آ رہا تھا، ایک مرکزیت اور ایک مملکت قائم کی اور عربوں کو خانہ جنگیوں کے ذریعہ اپنی توانائیوں کو ضائع کرنے سے روک کر انہیں اپنے زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی فاتح اور نو آباد کار قوم بنا دیا اور ان کے ذہنوں سے احساس کمتری کو کلی طور پر دور کر کے ان میں وہ صحت ور جذبہ بھر دیا جسے احساسِ برتری یا احساسِ خود شناسی کہا جا سکتا ہے اور جو کسی ترقی پذیر قوم کے لئے اس قدر ضروری ہوتا ہے، چنانچہ:-

(الف) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرْ. تم وہ بہترین قوم ہو، جو انسانوں کے لئے پیدا کی گئی، تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو، اور بری بات سے روکتے ہو۔ (قرآن مجید ۳/۱۱۰ نیز ۳/۱۹ و ۳/۸۵)

(ب) اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا. ان لوگوں کو جن سے لڑا جا رہا تھا (برابر کا جواب دینے کی) اجازت دے دی گئی، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا تھا--- یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں، تو وہ خدا کی عبادت کو قائم کر دیں، اور زکوۃ دیں، اچھی بات کا حکم دیں، اور بری بات سے روک دیں۔ (ایضاً ۳۹/۲۲ تا ۴۱)

(ج) قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ. ان سے اس وقت تک لڑتے رہو، تاآنکہ فتنہ باقی نہ رہے، اور خدا ہی کا دین چھا جائے۔ (ایضاً ۳۹/۸)

(د) وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا---الخ. اے محمد ہم نے تجھے صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کے لئے بشیر و نذیر کو اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

(قرآن مجید ۲۸/۳۴)

غالبًا یہی وہ ایقان یا احساسِ فرض تھا جس نے انہیں دنیا میں حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے اپنی ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے آمادہ کر دیا۔ جہاد کا جو حکم مذکورہ بالا اور دیگر آیات قرآنی میں ملتا ہے اس کا منشاء یہ بالکل نہ تھا کہ دوسروں کی جائیداد لوٹی جائے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ ایک مقدس ترین اور بڑا ایثار طلب فریضہ تھا کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دوسروں کی رہنمائی کریں اور ان کو سیدھا راستہ دکھائیں، یہ بار جو محض خدا کی راہ میں تھا اسے انہوں نے ہنسی خوشی برداشت کیا۔

قانون بین الممالک کے خاصے تفصیلی احکام ہمیں قرآن مجید میں ملتے ہیں جن پر مختلف مقالے بھی لکھے جاتے رہے ہیں[۱۱]، یہاں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ قرآن مجید میں انتقامی جنگ (۲/۹۰تا۹۵) معاہدات کی تعمیل (۹/۷) مدافعت (۴/۷۵، ۳۹/۲۲ تا ۴۱)، ہمدردانہ جنگ (۲/۸) فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ شکنی کا خوف (۵۸/۸) مذہبی رواداری (۲/۲۵۶، ۸۵/۶، ۱۰۰/۷۰) غیر مسلم رعایا سے برتاؤ (۵/۲۵) قیدیوں سے برتاؤ (۴۷/۴ و ۸ تا۹ /۷۶) پناہ جویوں کو امن دینا (۹/۶) مفتوحہ اراضی کا انتظام (۱۰/۷) صلح کرنا (۸/۶۱) غیر جانبداری (۴/۸۸ تا ۹۱، ۱۱ تا ۵۹/۱۲، ۸ تا ۶۰/۹) وغیرہ وغیرہ امور کا اصولی ذکر ملتا ہے۔

قومی دولت

کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ

تاکہ وہ تم میں سے صرف مالداروں میں گردش نہ کرتی رہے۔ (قرآن مجید ۷/۵۹)

یہ اسلامی اصولِ دولت عامہ کا خلاصہ ہے جو قرآن مجید نے پیش کیا ہے، اسلامی معاشیات کے پیش نظر یہ چیز رہی ہے کہ دولت کی ملک کے ہر طبقہ میں تقسیم عمل میں آئے اور وہ یکجا اکٹھی نہ ہو، بلکہ گردش کرتی رہے۔ معیار سے زائد دولت پر لازمی محصول (یعنی زکوٰۃ وصیت کرنے کے اختیارات کی تحدید اور کسی شخص کی جائیداد سے اس کی وفات پر اس کے قریبی رشتہ داروں کو لازمی طور سے حصہ ملنا، نیز غرباء اور محتاجوں کے لئے حکومت کی آمدنی میں لازمی طور سے حصہ مقرر کیا جانا۔ یہ اور اس کے مماثل قاعدے قرآن مجید نے مقرر کئے ہیں جن سے تقسیم و گردش دولت کا مقصد پورا ہوتا ہے اور ساتھ ہی انفرادی ملکیت پر کوئی قید عائد نہ ہونے سے ہر شخص کو اپنے قوائے فطری سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی ترغیب ہوتی رہتی ہے اور سود کی ممانعت اور قرضہ ہائے حسنہ کا انتظام جو قرآن مجید نے کیا ہے۔ وہ اسلامی قواعدِ معاشیات کو ایک مکمل نظام کی حیثیت دے دیتے ہیں جو نہ تو سرمایہ داری ہے اور نہ اشتراکیت۔ بلکہ اس میں ان دونوں کی خوبیاں ہیں اور ساتھ ہی دونوں کی برائیوں سے اس نظام کو محفوظ رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

اخلاق عامہ

میرے نزدیک مذہب اور سیاست دونوں ایک دوسرے سے ممتاز عمل ہیں۔ ان کو ایک سمجھنا غلطی ہے۔ مذہب انسان اور خالق کے تعلق کا نام ہے اور سیاست بندوں کے باہمی تعلقات کے لئے برسرکار ہوتی ہے لیکن اگر ان دونوں میں کوئی رابطہ اور حلقہ اتصال نہ پیدا کیا جائے تو انسانیت کو لامحدود نقصان پہنچ جاتا ہے، اسلام نے اس کا ایک حل تلاش کر لیا، اور اس کو کامیابی سے عمل میں لا کر بھی دکھا دیا اور وہ یہ تھا کہ اگرچہ مذہب اور سیاست دونوں کے دائرہ ہائے عمل بالکل جدا جدا ہیں، لیکن دونوں کے قواعد کا ماخذ ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کا مذہب اور مسلمانوں کی سیاست دونوں کی رہنمائی قرآن و حدیث، اصولِ انصاف و استحسان اور ہم آہنگی ضمیر سے ہوتی ہے۔

سیاسی اصطلاحات

اسلامی ادارہ ہائے سیاست نے اپنی بہت سی اصطلاحیں قرآن مجید ہی سے لی ہیں۔ چنانچہ امت اور ملت سے سیاسی جماعت مراد ہوتی ہے۔ خلیفہ اور امام اس جماعت کے سردار کا نام ہوتا ہے۔ (دیکھئے قرآن مجید ۸/۴۲ نیز سیرۃ ابن ہشام، ص ۳۴۱ میں رسول کریم ﷺ نے شہر مدینہ کے لئے

ہجرت کے بعد جو دستورِ مملکت نافذ فرمایا تھا اور جس کا پورا متن خوش قسمتی سے ہم تک پہنچ چکا ہے، اس کی دفعہ (۲) میں بھی انہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ خلیفہ کے لئے دیکھئے قرآن مجید ۲۷۳۸ اور لفظ امام کے لئے ۲/۱۲۴۔

جانشینی

لفظ خلیفہ کے ساتھ ہم جانشینی کے خار دار مسئلہ سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس نے تیرہ سو سال سے مسلمانوں کو دو بڑی متخاصم جماعتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جو اسلام رسول کریم ﷺ اپنی امت کے لئے لائے تھے اور جس کی آپ عمر بھر تبلیغ کرتے رہے اس کے بنیادی اصولوں میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ آپ کی جانشینی کے لئے کیا اصول ہو اور اس اصول کا ماننا اس سے بھی کم ایک جزء عقیدہ بن سکتا ہے؟ لیکن بدقسمتی سے اس کے بالکل برعکس صورت حال پیدا ہوگئی اور ہر دو فریقوں کے ہاں غلو رکھنے والے خیالات بھی پھیلتے رہے۔ حالیہ زمانہ میں ایک حل جو اس کے لئے سوچا گیا ہے وہ سنجیدہ غور کا مستحق ہے۔ وہ یہ کہ سنی اور شیعہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ تاریخی واقعہ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد حضرت علیؓ پہلے خلیفہ نہیں ہوئے۔ اسی طرح شیعہ اور سنی دونوں ہی اس پر متفق ہیں کہ روحانی امور میں حضرت علیؓ جناب رسالت مآب ﷺ کے خلیفہ بلافصل ہیں[۱۲]۔ چنانچہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ قریب قریب تمام صوفی سلسلے اس کو مانتے ہیں[۱۳]۔ اب رہا یہ امر کہ حضرت علیؓ کو سیاسی جانشینی کا بھی استحقاق تھا یا نہیں۔ یہ ایک خالص علمی مسئلہ رہ جاتا ہے جس کو آئے دن کی روزمرہ سیاسی زندگی پر اب تیرہ سو سال بعد اثر انداز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

جس طرح ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک اوّل الذکر ہی کی شریعت باقی رہتی ہے اسی پر قیاس کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک حکمران کی وفات کے باوجود اس کے جانشین کے انتخاب تک اوّل الذکر ہی کا اقتدار جاری رہتا ہے اور اسی کے مقرر کردہ افسر اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہنے کے پابند ہیں، چنانچہ:-

> کَانَ اَبُو حنیفة یقول اذا مات الخلیفة فالقاضی علیٰ قضائه والوالی علیٰ ولایتهٖ حتیٰ یغیرله القائم بعده' (مناقب ابی حنیفه للموفق ج ۱ ص ۸۷-۸۸)۔
>
> امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے، اگر خلیفہ کا انتقال ہو جائے، تو قاضی اپنی قضات پر اور والی اپنی حکومت پر باقی رہتا ہے۔ جب تک خلیفہ کا جانشین اسے بدل نہ دے۔

یہ سرسری خاکہ زیادہ قابل اہل علم کے لئے دعوت ہے کہ اس اہم موضوع پر توجہ کر کے ملک و ملت کی رہنمائی کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمدُ للّٰہِ ربِّ العالمین.

حوالہ جات

۱۔ اس سے اوپر کی آیتوں میں (۱۸) پیغمبروں کے نام لئے گئے ہیں جن میں نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، ہارون، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام شامل ہیں اور انہی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن مجید ۲۰/۳۲۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے متعلق خدا سے دعا کی تھی کہ وَاَشْرِکْهُ فِیْ اَمْرِیْ. اس کو میرے کام میں شریک بنا۔

۳۔ معارف: قرآنی اصطلاح میں علم کا مفہوم معرفت حق ہے۔

۴۔ قرآن مجید ۱۶/۲۷

۵۔ فرانسیسی رسالہ موسومہ خلافت کی عام نوعیت، اور سلاطین عثمانیہ کے دعوائے خلافت پر تبصرہ، مطبوعہ روما ص ۱۱۔

۶۔ سیرۃ ابن ہشام، ص ۴۴۴۔ کامل ابن الاثیر، ج۲، ص ۱۴۱ نیز سیرۃ شامی میں آٹھ دس ایسے واقعے درج ہیں۔

۷۔ معارف: سنداً یہ حدیث ثابت نہیں۔

۸۔ بدائع الصنائع للکاسانی، ج۷ ص ۱۲۔

۹۔ ایک بحری محاورہ ہے، بادبانوں سے ہوا نکل جائے تو ملاح بے بس ہو جاتا ہے، اس محاورے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قدیم عربوں کو سمندر سے کتنا لگاؤ تھا۔

۱۰۔ قرآن مجید ۸/۴۶

۱۱۔ ''عدل گستری ابتدائے اسلام میں'' کے عنوان سے ایک مضمون مجلّہ عثمانیہ حیدر آباد مارچ ۱۹۳۸ء میں چھپا ہے، جس کے حوالے فرانسیسی مولفین سے بھی دیئے ہیں۔

۱۲۔ چنانچہ اسلامک کلچر حیدر آباد میں جنوری ۱۹۴۱ء ومابعد کے پرچوں میں کئی سوصفحوں کا ایک طویل مقالہ چھپا ہے۔ اس کی کتابیات میں سابقہ اہل علم کی کوششوں کی بھی تفصیل ہے۔

۱۳۔ معارف: ''خلیفہ بلافصل'' کے معنی گویا یہ ہوئے کہ جس نے براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے فیض پایا ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے تمام اکابر صحابہ خلفاء بلافصل تھے۔ اور عالم روحانی میں تعدد خلفاء بلافصل ممنوع نہیں۔

۱۴۔ اور یوں بھی عام --- دو شاہان دراقلیمے نہ گنجند صحیح ہو تو -- عالم روحانی میں ایک سے زیادہ خلیفہ بلافصل ہونے میں کوئی مانع نہیں۔